(روایات اور واقعات کی روشنی میں ایک جائزہ)

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
ڈین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اس وقت دنیا میں ساڑھے چھ ارب کے لگ بھگ افراد بستے ہیں۔ ان افراد کا تعلق مختلف رنگ ونسل اور مختلف طبائع سے ہے۔ ہر ملک کا موسم اور آب وہوا دوسرے ملک کے موسم اور آب وہوا سے مختلف ہے۔ ہر علاقہ کے لوگ اپنی اپنی زبان بولتے ہیں۔ اس طرح دنیا میں سینکڑوں زبانیں رائج ہیں۔ ہر ملک میں خاندان ہیں، برادریاں ہیں، جتھے ہیں، قبائل ہیں۔ اکائیاں ہیں، دائرے ہیں، خول ہیں اور نہ جانے کیسے کیسے فرقے اور طبقے ہیں جن میں انسان محصور ہے، مقید ہے اور پوری طرح جکڑا ہوا ہے۔

جب ہم ریاست کی بات کرتے ہیں اور کائنات میں موجود مختلف ریاستوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دنیا میں آغاز سے لے کر اب تک کوئی ایسی ریاست وجود میں نہیں آسکی ہے۔ جس کے باشندے ایک ہی فکر کے حامل ہوں۔ ایک ہی طبیعت اور مزاج کے مالک ہوں اور ایک ہی رسم ورواج کے پابند ہوں۔ ریاست تو دُور کی بات ہے ایک خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگ اور ایک گھر کی چاردیواری میں رہنے والے افراد کی طبائع اور مزاج میں تنوع ہوتا ہے۔ انسانوں میں پائے جانیوالے ان اختلافات کو قرآن مجید نے اللہ جل شانہ کی قدرت کے دلچسپ اور پرکشش مظاہر سے تعبیر کیا ہے۔ درحقیقت یہ بوقلمونی اور رنگارنگی بلا سبب اور بلا وجہ نہیں ہے۔ اس کے پس منظر میں اس ذات بابرکات کی مشیت پوشیدہ ہے۔ جو اس کائنات کے ذرہ ذرہ کا خالق اور مالک ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے دین کی تعلیمات نے فطرت کے ہر ہر پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عیال اللہ کے الفاظ سے موصوف فرمایا اور ان الفاظ کے ذریعہ اپنی امت کے افراد کو بتایا کہ اللہ کی مخلوق میں تفریق اور تقسیم تمہارا فریضہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے قریب ہے اور کون اس سے دور ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم اللہ کی مخلوق کا احترام کرو اور اس بنیاد پر احترام کرو کہ یہ عیال اللہ ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

"مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے"

اس ارشاد میں آپ ﷺ نے اخلاق کا محدود تصور نہیں دیا بلکہ وسیع سے وسیع تر تصور عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ ایک بار نہیں بلکہ بار بار امت مسلمہ کے افراد کو یہ تعلیم دی ہے کہ محض انسانوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا کافی نہیں، ساری مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا ضروری ہے۔

گزشتہ ایک عرصے سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر، مذہبی رواداری کا موضوع تعلیمی اداروں، علمی حلقوں اور جامعات میں زیر بحث ہے اس موضوع پر بڑی بڑی کانفرنسز منعقد ہوئیں اور مزید ہونے جارہی ہیں۔ حال ہی میں مکۃ المکرمہ میں دنیا بھر کے نامی گرامی علماء، سکالرز، محققین، مفکرین اور زعماء جمع ہوئے اور بڑی تفصیل کے ساتھ مذاہب کے مابین تفاہم اور تعاون سے متعلق مقالات پیش کئے گئے۔ اس نوعیت کے اجتماعات اب تک درجنوں کی تعداد میں منعقد ہوچکے ہیں۔ یہ ایک دلچسپ اور مفید موضوع ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی سطح پر اس وقت یہ جو تأثر دیا گیا ہے اور دیا جارہا ہے کہ اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے،

مسلمان دہشت گرد ہے اور کسی غیر مسلم رعایا کو برداشت نہیں کرتا۔ مسلمان حکمران غیر مسلم رعایا پر ظلم ڈھاتے رہے۔ مسلمان حکمرانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کو زبردستی مسلمان بنایا وغیرہ وغیرہ۔ اس غلط اور بے بنیاد تاثر کا بھرپور طریقے سے ازالہ کیا جائے اور موجودہ دور کے ان سکالرز اور مفکرین کو، جو اسلام کی تعلیمات اور مسلمانوں کی تاریخ سے پوری طرح واقف نہیں، بتایا جائے کہ اسلام تو سراسر نصیحت ہے انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ مسلمان حکمرانوں نے ہمیشہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ مسلم رعایا کے مقابلہ میں بہتر سلوک کیا ہے جس کی وجہ سے غیر مسلم رعایا نے ہمیشہ مسلمان حکمرانوں کا ساتھ دیا ہے۔

اس مقالہ میں اس پہلو کو روایات اور تاریخی واقعات کی روشنی میں ایک حد تک اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اہل ذمہ کے حقوق:

شریعت اسلامیہ نے اسلامی ریاست میں رہنے والے اہل ذمہ کے حقوق کی حفاظت اور ان کے وجود کی رعایت و صیانت کو فرض قرار دیا ہے۔ مسلمان حاکم کو از روئے شریعت یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ ریاست کے شہریوں میں دین و مذہب اور فکر و عقیدہ کی بنیاد پر حقوق کے لحاظ سے فرق روا رکھے اور غیر مسلم رعایا کے ساتھ امتیازی سلوک کا ارتکاب کرے۔ اس ضمن میں رسول ﷺ نے عبداللہ بن ارقمؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''دیکھنا! خبردار! جن لوگوں سے امن کا عہد کرلیا گیا ہے ان پر ہرگز ہرگز ظلم نہ ہونے پائے۔ دیکھو ان کی برداشت اور تحمل سے زیادہ ان پر بار نہ ڈالا جائے اور ان کی رضامندی کے بغیر ان کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے''۔

پھر فرمایا:

'خبردار جو ایسا کرے گا:(أنا حجیجه یوم القیامة)'' میں اس پر قیامت کے دن دعویٰ کروں گا اور اس سے لڑوں گا''(۱)

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ کی سانس اُکھڑ رہی ہے اور اُکھڑی ہوئی سانسوں میں ان کی یہ آواز کانوں میں گونج رہی ہے:

''جن غیر مسلموں کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لی ہے، ان کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، ان سے جو عہد کیا گیا ہے اس کو پورا کیا جائے، ان کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان پر حملہ کرنے والوں سے جنگ کریں اور جس بار کو وہ برداشت نہ کرسکتے ہوں ایسا بوجھ ہرگز ان پر نہ ڈالا جائے''۔(۲)

قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں:

(عیل من بیت مال المسلمین وعیالهٗ ما اقام بدار الهجرة و دار الاسلام)(۳)

''اسلامی ریاست کی حدود میں رہنے والے غیر مسلم لوگوں میں جو معذور ہوں، ان کے مصارف کا بار اسلامی بیت المال برداشت کرے، ان کا بھی اور ان کے اہل و عیال کا بھی، جب تک دار الھجرة اور اسلامی قلمرو میں وہ مقیم رہیں گے''۔

قرآنی آیت جس میں 'الصدقات'' کے مصارف بتائے گئے ہیں، اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ:

﴿الفقراء هم المسلمون، وهذا من المساکین﴾(۴)

''فقراء سے مراد تو مسلمانوں کے محتاج لوگ ہیں، مساکین سے مراد غیر مسلموں کا وہ طبقہ ہے جسکی ذمہ داری اسلامی حکومت

نے لی ہو اور وہ کمانے کے قابل نہ رہا ہو"۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم باشندوں کی عزت و آبرو کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مسلم باشندوں کی عزت و آبرو کو حاصل ہے، فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ:

﴿الهجاء لمسلم او ذمی حرام﴾(٥)

"مسلمان یا غیر مسلم باشندے کی ہجو گوئی حرام ہے"۔

• صرف زندگی ہی کی حد تک احترام کا یہ اصول محدود نہیں ہے بلکہ:

﴿عظامهم لها حرمة اذا وجدت فی قبورهم كحرمة عظام المسلمين ، حتى لا تكسر لأن الذى لما حرم ايذاؤهٗ فی حياته فتجب صيانة عظمه عن الكسر بعد موته﴾(٦)

اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم باشندوں کی ہڈیوں کا بھی احترام کرنا چاہیے۔ اگر وہ ان کی قبروں میں پائی جائیں۔ ان ہڈیوں کا احترام بالکل اسی طرح کرنا چاہیئے جس طرح مسلم باشندوں کی ہڈیوں کا احترام کیا جاتا ہے غیر مسلم باشندوں کی ہڈیوں کا توڑنا بھی جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست نے ان کے وجود کی ذمہ داری لی ہے اور یہ ذمہ داری جس طرح ان کی زندگی میں ریاست پر عائد ہوتی ہیں اس طرح مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے"۔

غیر مسلم اقوام سے "قانون معاہدہ" کے دفعات کی تفصیل کرتے ہوئے شمس الائمہ سرکسی نے "سیر کبیر" میں ایک دفعہ یوں بیان کی ہے:

﴿انهم اذا لم يفهموا، فانما ذلک لمعنی من المسلمين حيث نادوهم بلغة لا يعرفونها فلا يبطل حكم الامان فی حقهم﴾(٧)

"معاہدہ کی غیر مسلم فریق کی سمجھ میں بات اگر نہ آئی تو یہ کوتاہی مسلمانوں کی طرف سے ہوئی کہ انہوں نے ایسی زبان میں ان کو خطاب کیا جسے وہ نہیں جانتے تھے۔ پس معاہدہ کے الفاظ کی رو سے جس امن کے وہ مستحق ہو چکے ہیں یہ حق ان کا باطل نہیں ہو سکتا"۔

اس موقعہ پر امام سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ غدر یعنی عہد شکنی ہی نہیں بلکہ:

﴿التحرز عن صورة الغدر واجب﴾(٨)

'عہد شکنی کی ظاہری شکل و صورت سے بھی پرہیز مسلمانوں کے لئے واجب ہے"۔

﴿معاہدہ کی پاسداری﴾

حدیبیہ کے موقعہ پر آپ ﷺ اور قریش کے درمیان جو معاہدہ ہوا۔۔۔۔۔۔۔ابھی باضابطہ تحریری شکل میں نہیں آتا تھا محض زبانی گفتگو میں منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی مان لیا گیا تھا کہ قریش کا جو آدمی مسلمانوں میں آکر شریک ہوگا اسے واپس کر دیا جائے گا۔ یہ بات ابھی ہو رہی تھی کہ ابو جندلؓ زنجیریں گھسیٹتے ہوئے اسلام اور اسلام کی دہائی دیتے ہوئے سامنے نمودار ہوئے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے ابو جندلؓ نے کہا:

''مسلمان ہونے کے جرم میں قریش نے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ میں آپ لوگوں کی امداد کے بھروسے پر کسی نہ کسی طرح یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہوں''۔

قریش کے نمائندہ نے آپ ﷺ سے کہا:

''معاہدہ اگرچہ ابھی لکھا نہیں گیا ہے لیکن زبانی مان لیا گیا ہے، اس لئے ابوجندل کو واپس کیجئے'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! تمہاری بات ٹھیک ہے''۔ ابوجندلؓ چیختے رہے، چلاتے رہے اور کہتے رہے کہ: ''مسلمانو! کیا مجھے دین کے ان دشمنوں کے حوالہ کررہے ہو جنہوں نے مجھے زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔'' اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ابوجندلؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿لا نغدر بهم﴾ (۹)

آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ہم عہد شکنی نہیں کرسکتے''

حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں قبیلہ بنوخزیمہ کے خلاف اقدام کے دوران چند مسلح اور ہتھیار بند سپاہی غلط فہمی کی بناء پر قتل ہوئے۔ آپ کو معلوم ہوا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

''اے اللہ! میں اس واقعہ سے اپنی براءت پیش کرتا ہوں''۔ اس کے بعد سیدنا علیؓ کو حکم دیا کہ بنوخزیمہ کی دلجوئی کے لئے ہرجانہ لے کر پہنچ جائیں، حضرت علیؓ اونٹوں پر سامان لادے ہوئے بنوخزیمہ کے پاس پہنچے اور اعلان عام فرمایا کہ ہر ایک اپنا دعوی پیش کرے۔ اس اعلان کے جواب میں جس نے جو دعوی پیش کیا اور جو جس ہرجانہ کا مستحق قرار دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے ہر ایک کو ہرجانہ ادا فرمایا اور اتنے اہتمام سے ادائیگی کی کہ: ﴿حتى مبلغة كلب﴾ ''یہاں تک کے کتے کے کھانے پینے کے برتن کا تاوان تک ادا کیا''۔

آخر میں حضرت علیؓ نے بنوخزیمہ کے سارے افراد کو مخاطب کیا اور فرمایا: ''بتاؤ تم نے اپنا اپنا ہرجانہ پوری طرح وصول کرلیا اور کیا تم اس تقسیم سے مطمئن ہو۔ سب نے جواب دیا۔ ہاں، ہم مطمئن ہیں''۔ حضرت علیؓ نے جو قسط بچی تھی وہ بھی پیش کی اور فرمایا: ''یہ اس نقصان کا معاوضہ ہے جو معلوم نہ ہوسکا''۔ (۱۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کی ملاقات ایک ایسے یہودی سے ہوئی، جو میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس تھا اور آنکھوں سے معذور تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بیت المال کے ناظم کے پاس تشریف لائے پھر بیت المال کے ناظم کو مخاطب کرکے فرمایا:

''کتنی ناانصافی ہوگی اگر ہم اس معذور اور معمر شخص کو اس طرح چھوڑ دیں، حالانکہ جب یہ جوان تھا تو ہم اس کی کمائی کھاتے رہے''۔ پھر بیت المال کے ناظم کو ہدایت کی: ﴿انظر هذا و ضرباؤه﴾ (۱۱)

''اس نابینا یہودی فقیر اور اس جیسے اور فقراء کا خیال رکھا کرو''

غیر مسلم رعایا کے خون کا احترام:

''حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ: ''حیرہ کے کسی یہودی کو قبیلہ بکر بن وائل کے کسی مسلمان نے قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حیرہ کے والی کو لکھا: قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کردیا جائے۔ وہ چاہیں تو بدلہ میں اس کو قتل کردیں

اور چاہیں تو معاف کر دیں۔ والی نے حضرت عمر فاروقؓ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیا۔ مقتول کا وارث جس کا نام حنین تھا، اس نے مسلمان قاتل کو قتل کر دیا۔ (۱۲)

حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ایک مسلمان نے غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے مقدمہ کی سماعت خود کی۔ گواہوں کے بیانات سنے اور ثابت ہوا کہ مسلمان نے غیر مسلم کو قتل کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے مسلمان قاتل کے قتل کا فیصلہ صادر فرمایا۔ فیصلہ سننے کے بعد مقتول کے ورثاء آئے اور درخوست کی کہ ہم لوگ اس قاتل کو قتل نہیں کرانا چاہتے۔ حضرت علیؓ نے مقتول کے ورثاء کو بلا کر پوچھا: ''کیا مسلمانوں نے تمہیں ڈرایا دھمکایا ہے'' انہوں نے جواب میں کہا:

''نہیں، ہمیں کسی نے ڈرایا دھمکایا نہیں بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ قاتل کو قتل کرانے سے ہمارا بھائی تو زندہ نہیں ہوگا۔ خواہ مخواہ اس کو قتل کرانے سے کیا فائدہ؟ ہماری درخواست ہے کہ ہمیں معاوضہ دلایا جائے''۔

یہ سن کر آپؓ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے۔ آپ لوگ اپنے معاملے کو زیادہ بہتر سمجھتے ہو''۔

مقصد یہ کہ آپ لوگ اگر اپنے مقتول کا خون بہا بطیب خاطر لینا چاہتے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم باشندوں کی حرمت اس طرح ہے جس طرح مسلم باشندوں کے خون کی حرمت ہے۔

اس کے بعد حضرت سیدنا علیؓ نے خطاب کو کے فرمایا:

﴿من کانت له ذمتنا ،فدمه کدمنا و دیته کدیتنا﴾ (۱۳)

''ہم نے جن لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے (معاہدہ کے بعد) ان کا خون ہمارے خون اور ان کے خون کی قیمت (دیت) ہمارے خون کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے''۔

غیر مسلم رعایا کے جذبات کا احترام:

دور رسالت اور قرون اولی میں رواداری کا سلسلہ اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ مسلمانوں کی خاص عبادت گاہوں یعنی مسجدوں کے اندر خود رسول ﷺ نے اہل کتاب ہی کو نہیں بلکہ طائف کے بت پرست مشرکین تک کو اجازت مرحمت فرمائی کہ مسجد کے صحن کے پچھلے حصہ میں اپنے خیمے نصب کریں۔ جب آپؐ سے سوال ہوا ﴿انزلتهم المسجد وهم مشركون﴾

''آپؐ ان لوگوں کو مسجد کے قریب اترنے کی اجازت دے رہے ہیں حالانکہ وہ تو مشرک ہیں؟''۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا:

﴿ان الأرض لا تنجس﴾ (۱۴)

''زمین ناپاک نہیں ہوتی''۔

ایک مرتبہ آپ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے اچانک فرمانے لگے:

﴿قوموا بنا نعود جارنا اليهودی﴾

''چلیں، اپنے یہودی پڑوسی کی بیمار پرسی کر لیں''۔

صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر آپؐ اس یہودی نوجوان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ مزاج پرسی اور عیادت کے بعد آپ ﷺ نے اس یہودی نوجوان کو تین مرتبہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ تیسری دفعہ آپ ﷺ کے فرمانے اور اپنے والد کے اشارے پر اس نوجوان یہودی نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

﴿الحمد الله الذی اعتق بی نسمة من النار﴾(۱۵)

''اللہ تعالی کا شکر ہے جس نے میرے ذریعہ ایک انسانی جان کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرمائی''۔

حضرت عمرؓ کا عیسائی غلام ''اسق'' سالہا سال تک آپؓ کی خدمت میں رہا۔ وہ خود کہتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کبھی بھی اسے اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ کبھی کبھار فرما دیتے تھے کہ ''اسق'' اگر اسلام قبول کرلے تو کتنا اچھا ہوگا''۔ یہ غلام حضرت عمرؓ کی حیات تک عیسائی رہا۔ لیکن جب آپؓ کی شہادت ہوئی تو بعد میں اپنی خوشی اور آزادی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوا۔(۱۶)

سیدنا معاویہؓ کے دور میں قسطنطنیہ کی عیسائی حکومت اور اسلامی ریاست کے درمیان ایک خاص مدت تک صلح کا معاہدہ طے پایا، مدت صلح کے اختتام کی تاریخ جب قریب آنے لگی تو سیدنا معاویہؓ نے اپنی فوج کو سرحد کی طرف آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ مدت صلح کے اختتام کے ساتھ ہی قسطنطنیہ کی حدود میں فوج بھیج دی جائے۔ مسلمانوں کی فوج رومی سرحد کے قریب پہنچ ہی چکی تھی کہ اچانک ایک گھوڑ سوار نمودار ہوا اور زور زور سے یہ نعرہ لگانے لگا:

﴿الله اکبر ، الله اکبر ، وفاء لا غدر﴾

''اللہ سب سے بڑا۔ معاہدہ کی تکمیل ہونی چاہئے۔ دھوکہ دہی اور عہد شکنی سے کام نہیں لینا چاہیے''۔

حضرت سیدنا معاویہؓ نے اسے بلا کر پوچھا'' آپ کیوں یہ نعرہ لگا رہے ہیں''۔

اس نے جواب دیا:

''میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ معاہدہ کے بعد دشمن پر اس وقت تک حملہ جائز نہیں جب تک معاہدہ کی مدت کے اختتام کے بعد فریق مخالف کو آگاہ نہ کیا جائے، یہ سنتے ہی سیدنا معاویہؓ خاموش ہوگئے اور اپنی فوج کو لے کر واپس ہوگئے''(۱۷)

بنو امیہ کے دور خلافت میں ولید بن یزید نے قبرص کے غیر مسلم باشندوں کی ایک جماعت کو قبرص کے جزیرے سے نکال کر شام میں جا کر رہنے پر مجبور کیا۔ ولید کے اس حکم کو جہاں عوام نے برا سمجھا وہاں فقہاء اور علماء نے بھی اس کی تنقیص کی۔ بہر حال جب ولید بن یزید کا انتقال ہوا اور یزید بن الولید نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو اس نے غیر مسلم باشندوں کو شام سے واپس بلا کر قبرص میں ان کا علاقہ انہیں واپس کر دیا۔

البلاذری نے لکھا ہے:

﴿فاستحسن المسلمون ذلک من فعله، ورأوه عدلا﴾(۱۸)

''عام مسلمانوں نے یزید بن الولید کے اس فیصلے کو سراہا اور اسے عدل وانصاف کا تقاضا قرار دیا''۔

بنو امیہ کے بعد جب بنو عباس کا دور آیا تو قبرص کے سیاسی حالات پھر سے پیچیدہ ہوگئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی

ریاست یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ اہل قبرص کے ساتھ معاہدہ توڑا جائے یا برقرار رکھا جائے۔اس موقع پر امام لیث ابن سعد،امام مالک بن انس،امام سفیان بن عینیہ،امام اسماعیل بن عیاش،امام یحیٰی بن حمزہ اور امام اسحاق الفزاری قابل ذکر ہیں۔ان علماء نے حکومت وقت کو اہل قبرص کے حق میں جواب دیا۔امام مالکؒ نے لکھا:

''حکمرانوں کے ساتھ امن وامان کا معاہدہ کوئی نیا نہیں بلکہ بہت پرانا ہے۔اسلامی حکمرانوں نے ہمیشہ اس معاہدہ کی پابندی کی ہے''۔

اور مزید لکھا:

''میں نے کسی حاکم کو نہیں دیکھا جس نے اہل قبرص کے ساتھ کئے گئے صلح کے اس معاہدے کو توڑا ہو اور نہ اب تک کسی حاکم نے اہل قبرص کو ان کے علاقے سے نکالنے کی جرأت کی ہے۔اس صورت حال میں ضروری ہے کہ اس معاہدہ کی پوری پاسداری کی جائے اور اس ضمن میں افراتفری کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔قرآنی حکم کا بھی یہی اقتضاء ہے۔ہاں!اگر بعد میں اہل قبرص اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہیں اور خفیہ طور پر دشمنوں کے ساتھ میل جول ترک نہ کریں اور اس کی سازش پوری طرح بے نقاب ہو جائے تو پھر حکومت کے پاس جواز ہوگا کہ ان کے ساتھ رویہ پر نظر ثانی کرے۔ایسی صورت میں امید ہے کہ حکومت کو اللہ کی تائید حاصل ہوگی اور دشمنوں کو ذلت اور رسوائی ہوگی''۔(۱۹)

ایک موقع پر ہارون رشید نے بنو تغلب کے عیسائیوں کے ان حقوق میں مداخلت کرنے کا ارادہ کیا جو ان کو خلافت راشدہ کے دور سے حاصل تھے۔اس سلسلہ میں ہارون الرشید نے امام محمد بن الحسن الشیبانی کو بلایا اور انہیں بتایا کہ:

''بنو تغلب کے عیسائیوں کو میں کافی عرصے سے دیکھ رہا ہوں۔ان عیسائیوں نے جن امور کی پابندی قبول کی تھی،یہ ان امور کی خلاف ورزیاں کر رہے ہیں۔میرا خیال ہے کہ انہیں اب وہ حقوق نہیں ملنے چاہییں جو از روئے معاہدہ انہیں حاصل تھے''۔

امام محمدؒ نے ہارون رشید کی بات توجہ کے ساتھ سنی۔پھر ہارون الرشید کو مخاطب کر کے پوچھا:

''آپ جن دفعات کی خلاف ورزی کا الزام ان عیسائیوں پر لگا رہے ہیں کیا یہ کوئی نئی بات ہے۔یا حضرت عمر فاروقؓ کے دور کے بعد مسلسل یہ لوگ ان دفعات کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرتے چلے آرہے ہیں۔''

''امام محمدؒ نے کہا۔

خلفائے راشدین کے ادوار میں بنو تغلب سے پوچھ گچھ نہیں کی گئی تو اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ ﴿ھذا صلح من الخلفاء بعدہ﴾ حضرت عمرؓ کے بعد خلفاء کی طرف سے اب گویا ان کے ساتھ صلح کی یہی صورت طے ہوگئی،اور اس صلح میں مداخلت کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا''۔

ہارون الرشید نے امام محمدؒ کا مشورہ سنا اور کہا:

﴿نجریہ علی ماجروہ ان شاء اللہ﴾(۲۰)

''ہم بھی انشاء اللہ بنو تغلب کے ساتھ وہی رویہ رکھیں گے جو ہم سے پہلے خلفاء راشدین نے ان کے ساتھ جاری رکھا''۔

اس موقع پر ہارون الرشید نے امام محمدؒ سے کہا:

''آپ اس شخص کے لئے دعا کرتے رہیں جس کے ہاتھ میں اللہ تعالی نے لوگوں کے معاملات سپرد کئے ہیں اور اپنے اصحاب سے بھی کہیے کہ وہ بھی اس کے لئے اس قسم کی دعا کریں''۔

مامون الرشید اپنے دربار میں دوسرے ادیان ومذاہب کے علماء کو بلا کر علمائے اسلام سے تحقیق حق کے لئے بحث ومباحثہ کی مجالس منعقد کیا کرتا تھا۔اس ضمن میں فرقہ مانویہ کے پیشوا یزدان بخت کا قصہ مشہور ہے کہ آزادی کے ساتھ بحث ومباحثہ کرنے کے بعد یزدان بخت خاموش ہوگیا۔مامون الرشید نے اسے مخاطب کر کے کہا:

''یزدان بخت! دیکھئے! اب اسلام قبول کرنے میں آپ کے لئے کیا عذر باقی رہا؟''۔

''یزدان بخت جو پریشانی کے عالم میں تھا کہنے لگا: امیر المومنین! آپ کی بات درست ہے۔لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ ان لوگوں میں نہیں ہیں جو دین کے معاملہ میں جبر سے کام لیتے ہیں۔مامون الرشید نے یہ سن کر یزدان بخت کو کچھ نہیں کہا بلکہ حکم دیا کہ فوجی نگرانی میں اسے گھر تک پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ایسا نہ ہو کہ کوئی متعصب انہیں نقصان پہنچا دے''۔(۲۱)

خلافت عثمانیہ کے اس دور کا واقعہ ہے جب مشرقی یورپ کا بڑا حصہ ترکوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔سلطان سلیم عثمان نے ارادہ کیا کہ عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے یا ان کو حکم دیا جائے کہ اسلامی ریاست کی حدود سے نکل جائیں۔سلطان سلیم کا یہ ارادہ اگر نافذ ہو کر عمل کی صورت اختیار کر لیتا تو سلطنت ترکی ہی نہیں بلکہ بلقانی ریاستوں کے اکثر حصوں میں آج عیسائیت کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔مگر اس وقت مسلمانوں کے اس حکمران کو جس قوت نے اپنی حدود سے آگے بڑھنے نہ دیا وہ سیکولرازم اور بے دینی کی قوت نہ تھی بلکہ اسلام سے وابستگی اور انسلاک کا جذبہ تھا۔اس دور کے جلیل القدر عالم مفتی جمالی نے سلطان سلیم کے دربار میں کھڑے ہو کر سلطان کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿لا یحلّ لک ذلک﴾

''آپ جو اقدام کرنے جا رہے ہیں، شریعت آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتی''۔

سلطان سلیم مفتی جمالی کے سامنے لاجواب ہوگیا اور اپنا ارادہ ترک کر دیا۔(۲۲)

غیر مسلم رعایا کے معاہدہ کا احترام

بیت المقدس پہنچنے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق قابل اعتماد مورخین نے لکھا ہے کہ جب نماز کا وقت آیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے گرجے کے پادری (صفرونیوس) سے پوچھا:

''مجھے نماز پڑھنی ہے کوئی مناسب جگہ ہو تو بتا دیجئے۔

پادری نے کہا:

''آپ گرجا کے اندر نماز پڑھ لیجئے''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

''گرجا کے اندر میں نماز پڑھنا مناسب نہیں سمجھتا ایسا نہ ہو کہ میری نماز پڑھنے کو دلیل بنا کر کل مسلمان اس پر دعوی کر بیٹھیں۔ یہ کہہ کر آپ گرجا سے باہر تشریف لائے اور نماز ادا کی''۔(۲۳)

غیر مسلم رعایا کے اموال و املاک کی حفاظت

اسی سفر کے دوران کا واقعہ ہے جب آپؓ شام کے ''جابیہ'' نامی مقام میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ایک عیسائی دوڑتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا:

''امیر المومنین! آپ کی فوج کے سپاہی میرے نخلستان پر ٹوٹے پڑے ہیں اور توڑ توڑ کر انگور کھا رہے ہیں''۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی بات سنی۔فوراً خیمہ سے باہر آئے۔باہر آکر دیکھا کہ ایک سپاہی انگور کے خوشے اپنی ڈھال میں ڈالے چلا جا رہا ہے۔حضرت عمر فاروقؓ نے اسے پکارا اور فرمایا:''کیا تم نے نخلستان سے بلا اجازت یہ خوشے چنے ہیں''۔

سپاہی نے جواب دیا:

ہمیں بھوک لگی تھی۔کھانے کا فوری بندوبست نہیں ہو سکتا تھا،اس لئے ہمارے قریب انگور کا جو باغ تھا،ہم نے اسی سے انگور کے خوشے چن لئے''۔

حضرت عمرؓ نے فوراً ایک سپاہی اس عیسائی کے ساتھ بھیج دیا اور حکم دیا کہ جتنا نقصان ہوا ہے اس کا صحیح صحیح تخمینہ لگا کر مجھے رپورٹ دو۔نقصان کی تفصیل جب آپؓ کے سامنے پیش کی گئی تو آپؓ نے فرمایا

:''جتنا نقصان ہوا ہے اس کا تاوان نخلستان کے مالک کو ادا کر دیا جائے''۔(۲۴)

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں غیر مسلم اقوام کی زمینوں پر جو لگان عائد کیا گیا تھا اس میں ان کے ساتھ خصوصی رعایت کی گئی تھی۔قاضی ابو یوسف نے ''کتاب الخراج'' میں لکھا ہے کہ عراق کی ان زمینوں کی پیمائش جب کی گئی جو دجلہ اور فرات کے پانی سے سیراب ہوئی تھی اور پیمائش کی تفصیلی رپورٹ آپؓ کے سامنے پیش کی گئی تو آپؓ نے اپنے نمائندوں سے پوچھا:

''آپ لوگوں نے اہل سواد پر کہیں اتنا بوجھ تو نہیں ڈالا جو وہ اٹھا نہ سکتے ہوں''۔

حضرت حزیفہؓ نے جواب دیا:﴿لقد ترکت فضلا﴾

''میں نے کاشت کاروں پر بوجھ نہیں ڈالا، میں نے تو ان کے حصہ میں زیادہ چھوڑ دیا ہے'' حضرت عثمان بن حنیفؓ جو پیمائش کے ماہر تھے،انہوں نے جواب دیا:﴿لقد ترکت الضعف﴾''میں نے جتنا لگان لگایا اس کا دوگنا کاشتکاروں کے لئے چھوڑ دیا ہے''۔

حضرت عمر فاروقؓ ان دونوں حضرات کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور حکم دیا کہ ہر علاقے کے دھقان کو میرے پاس ترجمان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔آپؓ نے براہ راست معلومات حاصل کیں۔مقصد یہ تھا کہ اسلامی ریاست کی حدود میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے۔(۲۵)

البلاذری نے لکھا ہے کہ عربوں کے باشندوں نے جب بغاوت کی اور بغاوت کے جرم کی پاداش میں انہیں جلاوطنی کی سزا دی

گئی تو حضرت عمرؓ نے انہیں سزا دینے کے ساتھ ساتھ یہ حکم جاری فرمایا:

''ہر چیز جسے وہ چھوڑ کر جائیں، اس کا دوگنا ہرجانہ ان کو دیا جائے گا، مثلاً ایک بکری کے بدلہ میں دو بکریاں۔ایک گائے کے بدلے میں دو گائیں۔الغرض ہر ایک چیز کے مقابلہ میں اسلامی حکومت انہیں دو چیزیں عطا کرے گی''۔(۲۶)

حضرت عمرؓ کی خلافت کا مشہور واقعہ ہے۔اسلامی حکومت کی طرف سے تجارتی محصول (چونگی) کے وصول کرنے کی سرحدی علاقوں پر جب تنظیم بنائی۔فرات کی آبی راہ پر بھی چوکی قائم ہوئی ایک مرتبہ ایک عیسائی تاجر اسی راہ سے اپنا تجارتی مال لے کر گزر رہا تھا۔زیاد بن حدیر، جو اس چوکی کے نگران تھے انہوں نے محصول وصول کرلیا۔کچھ دن بعد پھر یہ عیسائی تاجر کاروبار سے فارغ ہوکر اسی راہ سے واپس ہو رہا تھا۔زیادہ بن حدیر نے اس کے مال کا پھر جائزہ لینا چاہا۔عیسائی سوداگر نے کہا:

''میں ایک دفعہ محصول ادا کر چکا ہوں کیا آپ مجھ سے دوبارہ محصول وصول کرنا چاہتے ہیں''۔

زیاد نے کہا:''ہاں آپ جب یہاں سے گذر رہے ہیں تو محصول دینا پڑے گا''۔

دونوں میں بات بڑھ گئی۔عیسائی سوداگر نے اپنا سامان اپنے ایک ساتھی کے حوالہ کیا اور خود حضرت عمرؓ سے ملنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔اس لئے کہ ان دنوں حضرت عمرؓ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔عیسائی سوداگر نے حضرت عمرؓ کے سامنے اپنی درخواست پیش کی۔آپؓ نے اس کے جواب میں صرف ایک لفظ ارشاد فرمایا: ﴿کفیت﴾۔مقصد یہ تھا کہ آپ نے جو کوشش کی یہ بہت ہے۔عیسائی تاجر اس مختصر لفظ کے سننے سے مطمئن نہ ہوا اور اپنے طور پر مایوسی کے عالم میں لوٹا۔وہ دل میں طے کر چکا تھا کہ محصول ادا کرنا ہوگا۔لیکن یہی تاجر کہتا ہے کہ جب میں فرات کی چوکی پر پہنچا تو مجھے حیرت ہوئی کہ ﴿کتاب عمر قد سبق الیہ﴾ زیاد بن حدیر کے پاس حضرت عمرؓ کا فرمان پہنچ چکا تھا''۔اس فرمان میں حضرت عمر فاروقؓ نے زیاد بن حدیر کو حکم دیا تھا کہ جب ایک دفعہ آپ اس تاجر کے تجارتی مال کا محصول وصول کر چکے ہیں تو دوبارہ آپکو اس سے محصول لینے کا حق نہیں۔

عیسائی تاجر کہتا ہے کہ جب زیاد نے عمر فاروقؓ کا خط دکھایا تو میں بے چین ہوگیا اور اسی وقت زیاد کو مخاطب کر کے میں نے اعلان کر دیا:

﴿انی أشهد الله انی بریٔ من النصرانية وأنّی علی دین الرجل الذی کتب الیک هذا الکتاب﴾

''میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ عیسائی مذہب سے کنارہ کش ہوتا ہوں اور اب اس شخص کے دین پر موجود ہوں جس نے تمہارے نام یہ مراسلہ بھیجا ہے''۔(۲۷)

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب ہرقل نے اپنی ساری فوجی قوت جمع کی اور ارادہ کیا کہ شام کے علاقے کو اسلامی ریاست سے چھین لی جائے۔اس موقع پر مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ہرقل کے حملہ آور ہوجانے کے بعد حمص کے باشندوں کی حفاظت ان کے لئے مشکل ہوجائے گی۔حمص کے باشندوں سے چونکہ ان کی حفاظت کی خاطر خراج کی رقم وصول ہو چکی تھی۔اس لئے ان کے نمائندوں کو بلا کر کہا گیا:

﴿قد شغلنا عن نصرتكم والدفع عنكم﴾

''ہم چونکہ ہرقل کی فوج کا مقابلہ کریں گے اس لئے آپ لوگوں کی حفاظت اس دور میں ہم سے نہ ہو سکے گی''۔

یہ کہہ کر ان سے خراج کی جو رقم وصول کی گئی تھی انہیں واپس کر دی۔حمص کے یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے اس عجیب و غریب طرز عمل کو دیکھ کر کہنے لگے:

''آپ لوگوں کی حکومت، آپ کا عدل وانصاف ہمیں رومی حکومت کے ظلم وستم سے زیادہ محبوب ہے۔ہم آپ کے حاکم کے ساتھ مل کر رومیوں کا مقابلہ کریں گے'' حمص کے یہودی باشندوں نے جمع ہو کر اعلان کیا:

''قسم ہے تورات کی، اس شہر میں ہرقل کا والی اور نمائندہ اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک ہم لڑ لڑ کر مغلوب اور بے بس نہ ہو جائیں''۔ مسلمانوں کے ساتھ جو وعدہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اس واقعہ کے بعد کیا تھا، وہ پورا کیا گیا اور یرموک ندی کے ساحل پر ہرقل کی فوج کو آخری تاریخی شکست جب ملی تو مورخین نے لکھا ہے کہ:

''شام کے شہروں اور قصبوں کے یہودی اور نصرانی ڈھول بجاتے ہوئے باہر نکل آئے اور مسلمانوں کے آگے کھیلتے کودتے اپنے اپنے شہروں میں خود ان کو لے گئے''۔(۲۸)

حضرت عمرو ابن العاصؓ جب مصر کے گورنر تھے۔ان کے دور میں ایک مرتبہ ایک مسلمان سپاہی نے ایک غیر مسلم باشندے کے بت کی آنکھ توڑ دی۔غیر مسلم باشندے نے مقدمہ دائر کیا۔مقدمہ عمرو ابن العاص کے سامنے پیش ہوا۔آپؓ نے فیصلہ سنایا کہ قبطی کی بت کی آنکھ توڑنے کے بدلے میں قبطی کو اجازت ہے کہ بت کی آنکھ توڑنے والے سپاہی کی آنکھ توڑ دے۔قبطی نے عمرو بن العاصؓ کا فیصلہ سنا تو سکتے میں آ گیا۔اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ عدالت اس کے حق میں فیصلہ سنائے گی۔مسلمان سپاہی نے قبطی سے کہا:

''میری آنکھ توڑ کر آپ کو کیا ملے گا۔آپ مجھ سے جتنا چاہیں ہرجانہ لے لیں۔لمبی چوڑی بحث وتمحیص اور منت سماجت کے بعد قبطی تاوان لینے پر راضی ہو گیا اور اس طرح سپاہی کی آنکھ بچ گئی''۔(۲۹)

حضرت علیؓ کی خلافت کا دور آیا تو آپ نے مختلف علاقوں کی طرف عامل بھیجے۔ایرانی علاقے ''بندج سابورا'' کی طرف جس عامل کو بھیجنے کا ارادہ کیا تو اس کو بلایا اور وصیت فرمائی:

''دیکھئے! ایک درہم کے وصول کرنے میں بھی کسی کو تازیانے کی سزا نہ دینا اور نہ لوگوں کے روزمرہ کی خوراک کے ذخیرے کو نیلام کرنا۔لوگوں کے گرما اور سرما کے لباس کو ہاتھ تک نہ لگانا۔جب آپ کسی سے تحصیل وصول کریں تو اسے کھڑے رہنے پر مجبور نہ کرنا''۔یہ وصیت سن کر عامل نے کہا:

''امیر المومنین! پھر تو جس طرح خالی ہاتھ جا رہا ہوں، ایسے ہی خالی ہاتھ واپس آؤں گا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

''ہاں، جیسے جا رہے ہو، ایسے ہی کیوں واپس نہ آنا پڑے۔

اس کے بعد آپؓ نے اس عامل کو بتایا:

''دیکھئے! ہمیں عوام سے صرف ان وسائل میں سے لینے کا حکم دیا گیا ہے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو''۔(۳۰)

عہد شکنی کے باوجود معاہدہ کی پابندی:

سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں اہل روم اور سیدنا معاویہؓ کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ اہل روم سالانہ اتنی رقم ادا کریں گے۔ رومیوں نے اطمینان کے لئے اپنے ہاں کے چند ممتاز افراد کو سیدنا معاویہؓ کے پاس بطور یرغمال کے رکھوا دیا تھا اور یہ فیصلہ ہوا تھا کہ رومی حکومت نے اگر سالانہ مقررہ رقم ادا نہ کی تو سیدنا معاویہؓ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان یرغمالیوں کو قتل کرا دیں۔

البلاذری نے لکھا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد رومیوں نے اس معاہدے سے انحراف کیا اور مقررہ رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ معاہدہ کی رو سے سیدنا معاویہؓ کو یہ حق حاصل تھا کے رومیوں کے ان ممتاز افراد کی گردنیں اڑا دیں جو ان کے پاس بطور ضمانت رکھے گئے تھے لیکن آپؓ نے رومیوں کی طرف سے عہد شکنی کے ارتکاب کے باوجود ان کے معتبر افراد کو رہا کر دیا اور فرمایا:

﴿وفاء بغدر خیر من غدر بغدر﴾(۳۱)

''عہد شکنی کے جواب میں عہد شکنی سے یہ بہتر ہے کہ ہم عہد توڑنے والوں کے ساتھ معاہدہ کی پابندی کریں''

بنوامیہ کے دور میں جب دمشق میں جامع بنوامیہ کی تعمیر ہوئی اور اس انداز سے ہوئی کہ دنیا کے عجائبات میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اس مسجد کے قریب عیسائیوں کا گرجا واقع تھا۔ عبدالملک نے گرجا کے متولی عیسائیوں سے کہا:

''آپ لوگ جتنی رقم چاہیں لے لیں۔ گرجا کا وہ حصہ جو مسجد کے ساتھ ملتا ہے مجھے مسجد میں ملانے کی اجازت دے دیں۔ عیسائیوں نے عبدالملک کی پیش کش قبول نہ کیا۔ آپ نے خاموشی اختیار کی اور گرجا اپنی جگہ پر رہا''۔ بعد میں جب ولید بن عبدالملک کے ہاتھ میں خلافت آئی تو آپ نے عیسائیوں کو بہت بڑی پیش کش کی اور انہیں آمادہ کرنے کی تدبیر کی۔ عیسائی اپنے موقف پر قائم رہے۔ ولید نے عیسائیوں کو دھمکی دی اور کہا:

''اگر آپ لوگ ہماری پیش کش کو ٹھکرائیں گے تو ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا''۔ عیسائی علماء نے جب ولید کی دھمکی سنی تو مشہور کر دیا کہ جو شخص گرجے کو نقصان پہنچاتا ہے وہ پاگل ہو جاتا ہے یا مہلک بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ ولید کو عیسائی علماء کا یہ پروپیگنڈہ بہت برا لگا۔

البلاذری لکھتا ہے کہ ولید نے عیسائی علماء کے پروپیگنڈے کے ردعمل میں خود پھاوڑا اٹھایا اور گرجا کی دیوار گرا دی۔ ولید کا یہ فعل جس وجہ سے بھی تھا بہر حال شریعت کے لحاظ سے درست نہ تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو حکم دیا کہ مسلمانوں کی اس مسجد میں گرجے کی جتنی زمین شامل کی گئی ہے وہ عیسائیوں کو واپس کر دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بہت سمجھایا گیا کہ اب ایسا کرنے سے لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوگا اور مسجد کی بنی ہوئی صورت بگڑ جائے گی لیکن بایں ہمہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے موقف پر قائم رہے۔ ان کا اصرار تھا کہ گرجے کی زمین عیسائیوں کو واپس کرنا ضروری ہے۔ یہ ایسا وقت تھا کہ مسلمانوں کے جذبات بھڑک رہے تھے اور وہ کسی صورت میں اس بات کے لئے تیار نہ تھے کہ گرجے کی وجہ سے مسجد کو نقصان پہنچایا جائے۔ رہی سہی ایک صورت تھی کہ عیسائیوں کے ساتھ مصالحت کی جائے اور انہیں اپنا مطالبہ واپس لینے پر راضی کیا جائے۔ امام سلیمان بن حبیب المحاربی کی قیادت میں علماء کا وفد عیسائیوں سے ملا۔ ان کی منت سماجت کی اور باقاعدہ راضی نامہ لکھا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے

سامنے جب راضی نامہ پیش کیا گیا تو آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور راضی نامہ کے مطابق فرمان جاری کیا۔(۳۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کا واقعہ ہے۔ سمرقند کے غیر مسلم باشندوں کا ایک وفد خلیفہ سے ملاقات کرتا ہے اور درخواست پیش کرتا ہے کہ قتیبہ نے عہد شکنی سے کام لے کر ہمارے شہر پر قبضہ کیا ہے اور مسلمانوں کو ہمارے شہر میں آباد کیا ہے(۳۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وفد کی شکایت سنی اور فوراً سمرقند کے حاکم کے پاس یہ فرمان بھیجا:

''عدالت کے کسی قاضی کو بلا کر سمرقند کا معاملہ اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ قاضی اس بارے میں تحقیقات کرے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ قتیبہ نے عہد شکنی سے کام لے کر سمرقند پر قبضہ کیا ہے۔ اور مسلمانوں کو وہاں آباد کیا ہے تو مسلمانوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ سمرقند چھوڑ دیں''۔

سمرقند کے حاکم کے پاس جب خلیفہ وقت کا فرمان پہنچا تو اس نے جمیع بن حاضر نامی قاضی کو بلا کر مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا۔ قاضی نے بڑی تفصیل کے ساتھ معلومات جمع کیں۔ لوگوں سے شہادتیں لیں اور ہر قسم کے قرائن سے استفادہ کیا۔ براہین ودلائل کی روشنی میں قاضی اس نتیجے تک پہنچا کہ اہل سمرقند کے ساتھ واقعی غدر کیا گیا ہے اور ان کی مرضی کے بغیر یہاں مسلمانوں کو آباد کیا گیا ہے۔

قاضی صاحب نے فیصلہ صادر کیا کہ مسلمان سمرقند کا شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔ اہل سمرقند کا اختیار ہے کہ وہ ان کے ساتھ جو لین دین کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ ہاں شہر سے نکل جانے کے بعد مسلمانوں کو اختیار ہو گا کہ وہ سمرقند والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔(۳۴)

سمرقند کے غیر مسلم باشندوں کے سامنے جب یہ فیصلہ سنایا گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کر لیا اور کہنے لگے کہ مسلمانوں نے اگر دوبارہ سمرقند پر حملہ کیا تو ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہماری پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس شہر میں مل جل کر رہیں۔ اس مشاورت کے بعد انہوں نے قاضی کے پاس جا کر بتایا کہ انہیں مسلمانوں کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہیں اور وہ سمرقند میں مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں۔

ان واقعات کو غور وخوض کے ساتھ پڑھنے کے بعد ایک غیر جانبدار قاری سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ ان سے بلا تأمل کیا نتیجہ اخذ کر سکتا ہے تو یقیناً وہ یہی کہے گا کہ شریعت نے غیر مسلم رعایا کو جو حقوق دیئے ہیں ان کا تصور ایسے کسی بھی دستور میں نہیں پایا جاتا جو انسان کی تخلیق کردہ ہے۔ یہاں جن واقعات کا انتخاب کیا گیا ہے یہی بطور نمونہ مشتے از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر بالالتزام اس نوعیت کے واقعات کو تاریخی مصادر اور ذخائر سے تلاش کر کے مرتب کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی شکل میں آ سکتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی تاریخ کے ہر پہلو کا مطالعہ کریں اور محض سرسری مطالعہ نہیں بلکہ پوری گہرائی اور تعمق کے ساتھ تاریخ کے بنیادی اور مستند مصادر سے استفادہ کریں۔ تاکہ ہمارے پاس مخالفین اور معترضین کے ازالہ کے لئے ٹھوس اور معتمد معلومات کا ذخیرہ موجود ہو۔

حواشی وتعلیقات

(۱) کنز العمال، ج ۲، ص ۲۷۱، علاء الدین علی المتقی الہندی بن حسام الدین، حیدر آباد، جامعہ عثمانیہ، ۱۳۱۲ھ۔

(۲) کتاب الخراج، ص ۱۴۴، ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، مصر، مطبع امیریہ، ۱۳۲۰ھ

(۳) ایضاً
(۴) کتاب الخراج، ص ۱۲۶
(۵) البنایۃ شرح الہدایۃ، ج ۷، ص ۳۶ ۔علامہ عینی، محمود بن احمد، مکہ المکرمۃ المکتبۃ التجاریۃ، ۱۴۱۱ھ
(۶) البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۱۰، ابن نجیم زین الدین، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
(۷) شرح السیر الکبیر، ج ۳، ص ۳۴۷ ۔ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۵ھ
(۸) ایضاً
(۹) السیرۃ النبویۃ الکبیر، ج ۳، ص ۳۴۷ ۔ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۵ھ
(۱۰) السیر الکبیر مع الشرح، ج ۱، ص ۱۸۱
(۱۱) کتاب الخراج، ص ۸۲
(۱۲) ایضاً
(۱۳) ایضاً
(۱۴) ایضاً
(۱۵) کتاب الآثار، ص ۹۲، الشیبانی، محمد بن الحسن، کراچی، قدیمی کتب خانہ
(۱۶) الطبقات الکبری، ج ۳، ص ۱۱۷۵، ابن سعد، بیروت، دار احیاء التراث العرابی، ۱۹۹۷ء
(۱۷) الدر المنثور، ج ۳، ص ۱۱۷۵، سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ
(۱۸) فتوح البلدان، ص ۱۵۶ ۔البلاذری، ابو العباس، احمد بن یحیی ۔(م ۲۷۹ھ)
(۱۹) ایضاً
(۲۰) تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۱۷۴ ۔خطیب بغدادی، احمد بن علی، مصر، مطبع السعادۃ، ۱۹۳۱ء
(۲۱) الفہرست، ص ۳۳۸، ابن ندیم محمد بن اسحاق، مصر، المطبعۃ الرحمانیۃ، ۱۳۴۵ھ
(۲۲) تعلیقات، مقدمہ ابن خلدون، ج ۲، ص ۱۷۷، شکیب ارسلان، مصر المکتبۃ التجاریۃ، ۱۹۳۶ء
(۲۳) کنز العمال، ج ۱، ص ۹۹۹
(۲۴) ایضاً
(۲۵) کتاب الخراج، ص ۲۱
(۲۶) فتوح البلدان، ص ۱۳۷
(۲۷) کتاب الخراج، ص ۲۱
(۲۸) فتوح البلدان، ص ۳۷

(۲۹) رحمۃ للعالمین، ج ۳، ص ۱۲۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز۔
(۳۰) کتاب الخراج، ص ۱۲۵
(۳۱) فتوح البلدان، ص ۱۵۹
(۳۲) فتوح البلدان، ص ۱۲۶
(۳۳) فتوح البلدان، ص ۴۲۲
(۳۴) ایضاً

......☆☆☆☆☆......